© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(گذشتہ سے پیوستہ)

تلافیٔ مافات اور بحالیٔ رفتارِ عمل کے لیے چند مزید توجہ طلب امور عرض ہیں۔

دعوت اور انقلابی تحریک برائے اقامتِ دین کا کام کرنے والے افراد اور گروہوں کے لیے ایک لازمی شرط استقامت ہے۔ استقامت کے معنی اتنے ہی نہیں کہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت (و آخرت) کے موقف سے آدمی کسی ظلم اور دباؤ اور لالچ کے باوجود نہ ہٹے۔ بلکہ وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ نظامِ اسلام کے تمام اصول و مقاصد اور اخلاقی اقدار اور تہذیبی شعائر منہج انقلاب اسلامی

(بقیہ صفحہ ۲)

پاکستان پیچھے رہ گیا ہے، اِس فریضہ کی ادائی میں مجاہدینِ افغانستان آگے نکل جائیں۔ اَللّٰھُمَّ اَنْصُرْھُمْ۔

ہوسکتا ہے کہ پاکستان سے لے کر ترکیہ تک ایک نیا سلسلۂ قوت نمودار ہو جائے۔

کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

اور اقبال کی یاد آئی تو غازی علم الدین شہید کی بھی یاد آئی، کیونکہ سلمان رشدی کی خرافات نے مسلمانوں کے جہانِ ایمان و جذبہ کو تہ و بالا کرکے رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اقبالؒ، قائداعظم، سیّد جمال الدین افغانی، غازی علم الدین شہید اور شہدائے مجاہدینِ افغانستان (برائے قیامِ حکومتِ اسلامی) سب پر خصوصی رحمتیں اور مغفرتیں فرمائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ثابت و واضح ضوابط اور سماجی زندگی کے لیے اختیار کردہ معتدل و متوازن موقف کی دانتوں تک کا زور لگا کر حفاظت کی جائے۔ اگرچہ ہر طرف سے تاریکیوں کا سیلاب اُمڈا چلا آ رہا ہو، اگرچہ تعیشات و تفریحات اور اسبابِ تفاخر نے گھیرا ڈال رکھا ہو! اگرچہ معاشی و سماجی و ثقافتی ملحول دجس کی طنابیں دشمنِ اسلام تہذیب کے ہاتھوں میں ہیں) ہمیں ہر طرف سے بھینچ رہا ہو، اگرچہ نظامِ باطل کی قبر میں پڑے ہوئے ہر انسان کو حرام کی کھلی کھڑکی میں سے سرابِ گل و لالہ کے جلوے کھینچ رہے ہوں۔ ایک بار جو شخص سوچ سمجھ کر صبغۃ اللہ کو اختیار کرلے، پھر نہ وہ اس رنگ کو بدلے، نہ مدھم پڑنے دے۔ بڑے بڑے نیک لوگ صبغۃ اللہ کا تحفظ کرتے ہیں کوتاہ رہ جاتے ہیں۔

استقامت میں خلل اس وجہ سے بھی آتا ہے کہ بسا اوقات سالکِ جادۂ دعوتِ انقلاب یہ سمجھتا ہے کہ اُصول و مقاصد اور روایات و اقدار کے بنے بنائے سیدھے راستے سے تھوڑا ہٹ کر ایک گھماؤ کو طے کرنے کا پروگرام خود دعوت اور تحریک ہی کو کسی اور طریقے سے فائدہ پہنچائے گا۔ کارکن یہ سوچتے ہیں کہ ہم اہلِ خانہ، برادری، احباب اور مخالفین کے درمیان کسی ایک نقطے پر ڈٹ کر کھڑے ہونے اور اعتراضات و استہزا کا مقابلہ کرتے رہنے کے بجائے تھوڑا سا تغیر اپنے مقام اور رویے اور ہیئت میں کرلیں تو پھر شاید ''فتوحات'' کا سلسلہ بڑھ جائے گا۔

خدا کے پیغمبروں نے تو مخالفین کی طرف سے اس طرح کی سودا بازیوں کو جو بسا اوقات بڑی مخلصانہ اور معصومانہ دکھائی دیتی تھیں، وحیِ الٰہی کے ماتحت صاف صاف ٹھکرا دیا تھا۔ اس طرح کی سودا بازیوں کے خوگر صلاحیتِ انقلاب کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اسلام کوئی سیل ڈپو نہیں ہے کہ جب جو چیز چاہی خرید کر ڈال لی، جب جس چیز کو چاہا بیچ دیا۔ اور اس خرید و فروخت میں اچھائی کو بُرائی سے الگ الگ چھانٹ پرکھ کر لینے دینے کے بجائے زیادہ تر سودا گری بڑی بُرائی اور چھوٹی بُرائی میں شروع کر دی۔ یہ فارمولا محض شاذ و نادر موقعوں پر اُصولی اُمور سے نیچے کے معاملات میں استعمال ہوتا ہے، یہ خود کوئی اُصول نہیں ہے کہ ہر جگہ کھل کر اس کا استعمال کیا جانے لگے۔ اس اُصول کو مستقل اوڑھ لینے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت ہر بُرائی اختیار کی جانے لگتی ہے جب کہ اس کے مقابل میں کوئی بڑی بُرائی موجود ہو۔ اور ہر چھوٹی بُرائی کے سامنے بڑی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برائی موجود ہوتی ہی ہے۔

استقامت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کسی اصول یا نظریہ یا تحریک یا جماعت کا تشخص جو اوّل روز طے ہوا تھا اور جس کی تشکیل اور جس کے اظہار اور جس کی حفاظت پر لمبی محنتیں صرف ہوتی ہیں، وہ کئی سال گذر جانے پر بھی جوں کا توں رہے۔ اس کی جو قدر و قیمت اپنوں اور بیگانوں کی نگاہوں میں قرار پائی تھی وہ برقرار رہے۔ اُس نے جس چہرے کے ساتھ افقِ تاریخ پر پہلے دن جلوہ نمائی کی تھی، اس کے سارے خدوخال باقی رہیں اور کوئی جز مسخ نہ ہونے پائے۔ لوگ جس چیز کو عام معاملات میں ناک بچانا کہتے ہیں، سیاسی اور تحریکی اور دعوتی دائروں میں اس کا برتر تصور "تشخص" یا "چہرے" کو بچانے کا ہے۔

خارج میں جو چیز چہرے کی تشکیل کرتی ہے، باطن میں وہی مزاج (صبغۃ اللہ) بناتی ہے۔ تحریکوں اور جماعتوں کی سلامتی اور برقراری اور ترقی اس میں ہے کہ وہ اپنے چہرے اور اپنے مزاج (تشخص) کو بچائیں اور بچائے رکھیں۔ ایمان سے لے کر تشخص و مزاج تک "استقامت" کے تقاضے پھیلے ہوئے ہیں۔

اب پڑھیے: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ...... الخ

رب کو رب کہہ دینا آسان، اس کی ہدایت کو قبول کر لینا مشکل، مگر حتمی عزم کر لیا جائے تو یہ بھی ممکن! لیکن اس ہدایت کے ہر اصول اور اس کی ہر قدر پر چند روز یا چند ماہ کے لیے نہیں ساری عمر کے لیے جمے رہنا انتہائی کٹھن۔ اور جمے رہنے والوں کے لیے ماحول کے ظلم و جبر کے زیر اثر امتحان کی اس منزل کو پار کر لینا اور بھی کپکپا دینے والا ہے جسے قرآن نے "حَتّٰی زُلْزِلُوْا" کے الفاظ سے ہماری نگاہِ تصور کے سامنے رکھا ہے۔ اس راستے میں جب کوئی مشکل موقع آئے تو آپ "چھوٹی برائی" کی پناہ گاہ تلاش کرنے لگیں تو پھر آخری مقامِ امتحان تک پہنچنے اور اور اس کی سعادتیں اور برکتیں سمیٹنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مولانا مودودیؒ نے کہا تھا کہ ہمیں ایسے کارکن چاہئیں جو نہ بکیں، نہ دبیں اور نہ جھکیں۔ اگر آپ معاشرے کی منڈیوں میں انسانوں کے بکنے کے لطیف طریقے مشاہدہ کریں اور اسی طرح دبنے اور جھکنے کے نرالے ڈھنگ دیکھیں تو آپ سوچ میں پڑ جائیں۔ مثلاً ایک طرف ایک کاروباری مفاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور دوسری طرف تحریک کی خدمت، آپ گزر بسر کی معاش سے اوپر جاتے کے لیے اپنے اصولوں اور اخلاقیات کی نئی تعبیریں اختیار کر لیتے ہیں۔ یا ماحول کے سامنے دبنے اور رواجوں کے سامنے جھکنے کے لیے یہ دلیل پیدا کر لیتے ہیں کہ جب سے معاشرے کے مجموعی حالات سے تو ہم الگ نہیں ہو سکتے تو پھر کہاں رہی وہ بات کہ "نہ بکیں، نہ دبیں اور نہ جھکیں"۔

یارانِ طریق! قرآن کا یہ ایک اصطلاحی اور انقلابی لفظ استقامت بڑی ہی بھاری ذمہ داریاں آپ پر لادتا ہے۔ کیا آپ نے ان ذمہ داریوں کو سمجھا؟ اور کیا ان کو پورا کرنے پر تیار ہیں؟

یہ بات بھی دعوت ہی کے تحت آتی ہے کہ ہمیں ہر ممکن بصیرت مندانہ کوشش کر کے علماء مشائخ اور دینی جماعتوں اور ان کے مدرسوں اور اداروں اور جرائد و مطبوعات کو اس مقصد کے لیے متحد کر دینا چاہیے کہ وہ الحاد، دہریت اور لادینیت اور منکرات و فواحش کے خلاف اپنے اپنے اپنے طریقوں سے جہاد کریں اور دینِ برحق کے علو کے لیے خون پسینہ ایک کر دیں گے۔

موجودہ حالت بڑی افسوس ناک ہے کہ دینی گروہ اور علماء و مشائخ اور اسلامی حلقوں سے نسبت رکھنے والی شخصیتیں الگ الگ کیمپ لگا کر افکار و نظریات پیش کر رہے ہیں اور ہر کوئی اپنی روش جداگانہ اختیار کر لیتا ہے۔ ایک آواز آئے گی کہ فلاں چیز اسلام میں ضروری ہے۔ دوسری طرف سے صدا بلند ہوگی کہ وہ ہرگز ضروری نہیں ہے۔ ایک کہے گا کہ آٹھویں ترمیم کو اڑا دینا چاہیے، دوسرا کہے گا بالکل برقرار رکھنا چاہیے، تیسری آواز یہ بھی؟ ٹے گی کہ اس کے تمام اجزا کو الگ الگ لے کے دیکھنا چاہیے کہ کس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ عورت کی سربراہی کا مسئلہ ہو، جمہوریت پر بحث چھڑے، حدود کے مقدمات میں عورت کی شہادت کی نزاع ہو یا سود کا مسئلہ، بلکہ شب برات اور بسنت اور ختنے تک پر بحثیں چھڑ جائیں گی۔ یعنی مینارِ بابل والی صورت۔ پھر سیاست میں آئیں گے تو کوئی کسی ایک پارٹی کے ساتھ، کوئی دوسری جماعت کے ہمراہ۔ کوئی سب سے الگ تھلگ، کوئی تمام دینی اور سیاسی عناصر کے خلاف۔ اس چیز نے نہ صرف دینی حلقوں کے وقار و وقعت کو کم کیا ہے بلکہ خود دینِ اسلام کے خلاف بدظنی پھیلانے والوں کے ہاتھ مضبوط کیے ہیں۔ اب حد یہ ہے

© rasailojaraid.com

کہ دینی شخصیتوں اور ان کے سیاسی دھڑوں کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ انہیں کوئی بھی ساتھ لے سکتا ہے، نیز بالعموم ان کے خلاف تضحیک و استہزا کے ہتھیار استعمال کیے جاتے ہیں۔

ذرا بغور ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارے معزز و مکرم دینی اصحاب کے جرائد میں کس طرح بحثوں اور کج بحثیوں کے چکر چلتے ہیں۔ مثلاً میں نے ایک ہی فرقے کے اصحاب کے دو گروہوں کی بحثیں پڑھیں ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "او مولوی صاحب! کچھ خدا کا خوف کرو، کیوں مسئلے گھڑتے ہوتے ہو" دوسرا کہتا ہے کہ "آپ جیسے لوگ سراپا جہالت ہو کہ دین کے نام سے جھوٹ بولتے ہیں"۔ (میری یادداشت میں ترتیبِ الفاظ شاید کچھ مختلف ہوگئی ہو)

سچائی کو مسخ کرنے کی صورتیں، سچائی سے غلط نتائج نکالنے کے اسلوب اور دین کی حقیقتوں میں سے کسی بھی اکائی کے دو ٹکڑے کر کے ان کو لڑا دینا، اپنے قدامت پسندانہ ذوق کے تحجر کی وجہ سے ۱۵ ویں صدی ہجری کے مسائل کو پہلی صدی ہجری کی فضا میں رکھ کر سوچنا، یا اپنے بوسیدہ تشخص سے پیدا ہونے والے احساسِ کہتری کے ردعمل میں، جدت طرازوں کو مات کر دینے کے شوق میں ان سے بڑھ بڑھ کر قدم مارنا، یہ بڑے دردناک احوال ہیں۔ اپنے بزرگوں کی باتیں ہیں اور ان باتوں کو چھیڑ کر دل بہت رنجیدہ اور شرمسار ہوتا ہے۔ مگر صلاح و فلاح کے لیے بھی تو بے لاگ تجزیۂ احوال کی ضرورت ہے۔

نہایت اندوہگیں صورتِ حالات کا ایک پہلو ایسا ہے جس کا تعلق ہم سے بھی جا جڑتا ہے۔ یعنی ہم سے اختلاف کر کے جانے والے اصحاب میں سے کچھ تو خاموشی و خلوت کے دائرے میں حسبِ منشا کوئی کام کرتے ہوں گے، کچھ وہ ہیں جنھوں نے ہمیں بھول بھلا کر اپنے ذوق کے مطابق کوئی دینی مشغلہ اختیار کر لیا۔ پھر کچھ وہ تھے جو ایک ہی مرتبہ جاتے جاتے لات مار گئے اور اسی میں ان کا نشہ پورا ہو گیا۔ مگر کچھ اصحاب وہ بھی ہیں جو ہمارے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے کیمپ لگائے ہوئے ہیں۔ ان کے نظریات بھی اسلامی ہیں، مگر اختلافی نظریات میں کہیں کم اور کہیں بہ زور ایک انتقامی زہر بھی شامل ہے۔ یہ زہر انہیں مجبور کرتا ہے کہ دین کی خدمت کرتے کرتے ہمیں بھی ڈنک ضرور لگائیں۔ کوئی قرآن کی تفسیر کرتے کرتے اور کوئی حدیث کی تشریح سامنے لاتے ہوئے اور کوئی فقہی مباحث چھیڑتے ہوئے اس فریضہ سے غافل نہیں ہوتا کہ اپنی علمی یا منتقمانہ گل پاشیوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے تھوڑی سی گلوخ اندازی سے ہمیں مشرف کرتا رہے اور ان سب کے لیے حلقۂ خطاب نہ غیر مسلم ہیں، نہ معاشرے کے بگڑے ہوئے اکابر و عوام، بلکہ اُن کی شکارگاہ ہمارے ہی ہم خیال اور ہم قدم نوجوان ہیں۔ یعنی کیا ہی شاندار تحریکِ افتراق ہے جو چل رہی ہے۔ سب کے "اڈے" اور "اکھاڑے" ہیں جہاں سے دوسروں کو چیلنج دیئے جاتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کو اُکسانا، چٹکیاں بھرنا، مذاق اُڑانا، فتوے چسپاں کرنا، لوگوں کے ایمانوں کی پیمائش کرنا، نیتوں کی جھلکیاں کاغذ پر لے آنا، کیا ہی شاندار کمالات ہیں۔ سب کے اپنے اپنے جریدے اور رسالے ہیں، جن میں کہیں بہت ہی شائستہ اور کہیں بہت گھٹیا لپاڈگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پھر کتابوں کی کتابیں فتنۂ تخریب کے تحت چھپتی ہیں۔ جن کے اوراق مسلمانوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر دیتے ہیں۔ ان کتابوں اور رسالوں کے غیر صحت مندانہ پہلو کی وجہ سے عوام کے اخلاق و کردار میں کوئی بہتری پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اُلٹا پستی آتی ہے۔ ہر کسی کا دعویٰ کہ ہم سچے ہیں، نیک صرف ہم ہیں اور دین کی صحیح نمائندگی کرنے کا واحد اجارہ ہمارے پاس ہے۔

مسجدوں کے وعظ سنیئے، جمعوں کے خطبے سنیئے، میں نے تو شاذونادر ہی کبھی کسی جگہ کام کی کوئی بات سُنی، ورنہ روز ازل کے قضیئے، نُور کی ماہیت اور تخلیق کے میدا٭ اور بزرگوں کی کرامات کی کہانیاں سُنی ہیں۔ چاروں طرف جو اخلاقی خرابیاں اور حرام کمائیاں اور منکرات و فواحش کا طوفان پھیلا ہوا ہے، اس کی طرف طنز و تضحیک کے بجائے دردمندی سے کسی واعظ و خطیب نے بھرپور اور مؤثر توجہ ہی نہیں دلائی۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر ہمارے علماء و مشائخ اور دینی ادارے اور جماعتیں اپنی روش کو بہتر بنالیں اور لادینیت[1] کے خلاف محاذ کی مضبوطی کا اہتمام کریں، نیز ایک دوسرے کے عمومی اختلافات کی بحثا بحثی اور باہمی نشتر زنی اور ناوک اندازی کے مشاغل کو ترک کر کے اپنی ایک مشترک کونسل بنالیں جو اہم دینی و ملی مسائل میں ٹھیک ہوئی فیصلہ کن رائے دے سکے اور افراد اور جماعتوں کے درمیان ہونے والی نزاعات کو بھی حل کر سکے تو پھر یہاں ایک ایسی مؤثر قوت

---

[1] اس گفتگو میں قادیانی، منکرینِ حدیث اور دوسرے مخالفِ اسلام عناصر پیشِ نظر ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہو سکتی ہے کہ لادینیت کو نہ پروپیگنڈے کے دائرے میں، نہ انتخابات میں اور نہ پارلیمان میں سر اُٹھانے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ بلکہ اُلٹا علما کی متحدہ قوت کا اُٹھایا ہوا ہر مطالبہ منتخب ممبران اور حکمرانوں کو ماننا پڑے گا۔

اگر ثبت طور پر اتحاد و اتفاق ایک ہی مرحلے میں حاصل نہ ہو سکے تو کم از کم "عدمِ محاربت" کے منفی سمجھوتے پر سب کو جمع کر لیا جائے۔ ضروری نکات یہ ہیں:

۱- علما کی ایک نمایندہ کونسل عالمی اور ملکی حالات پر اس پہلو سے نظر رکھے کہ لادینیت کی علمبردار اور منکرات و فواحش کو فروغ دینے والی قوتیں، نیز مسلمانوں کو ان کے اپنے آزاد ملکوں میں فکری، تعلیمی، ثقافتی، معاشی، ڈپلومیٹک اور سازشی حرکات کیا کیا ہیں اور ان کے خلاف کس طرح مزاحمت کی جائے۔

۲- یہ اصول تسلیم کرتے ہوئے کہ ہر کسی کو اپنے نظریاتی اور فقہی خطوط پر چلنے کا حق ہے، ایک واضح اعلان تمام فرقوں کے علما نشر کریں کہ ہم باوجود اپنے اختلافات کے کفر و الحاد اور منکرات و فواحش کے خلاف متحد ہیں۔

۳- سب کا متفقہ نصب العین خدا کی حاکمیت کے تحت قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی اور اسلامی نظامِ خدمت و عدل کا نفاذ ہے۔

۴- بڑے بڑے دینی و شرعی مسائل جب اُٹھیں تو بعض صورتوں میں علما کی مقامی کونسلوں کو اور اہم صورتوں میں مرکزی کونسل کو ایک ہی نقطۂ نظر دلائل سے متعین کر دینا چاہیے۔ اختلافی بحثیں کونسلوں کے اندر رہیں۔

مولانا مودودیؒ کے پورے دور میں اس مقصد کے لیے مساعی جاری رہیں جن کے نتیجے میں نو نکاتی مطالبے کی منظوری، بنیادی دستوری اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ کا استرداد، ۲۲ دستوری نکات پر کامیاب اتحاد اور بعد ازاں عائلی قوانین اور رویتِ ہلال وغیرہ کے مسائل پر مضبوط موقف، وغیرہ نتائج حاصل ہوئے۔ بعد میں بھی اگرچہ یہ مساعی جاری رہیں اور اب بھی مرکز کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں، مگر ضرورت ایک مضبوط منصوبہ بندی کی ہے کہ کیسے لوگ اِن دائروں میں کن کن اسالیب سے کام کریں۔ کام کیا، ایک مہم چلا دیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی ذرا سا فتنہ اُٹھے یا دین کے کسی ادنیٰ ترین تقاضے کا معاملہ سامنے آئے، ہماری دعوتی مشینری کو ایک ایک مسجد تک اس کے متعلق ضروری مواد (یا پس منظر وغیرہ) کو پہنچا دینا چاہیے اور پھر علماء سے بات چیت اور استفادے کے لیے ہر جگہ ٹیمیں نکل کھڑی ہوں۔

خیال رہے کہ علماء بڑی مشکل چیز ہیں۔ ان کا بہت ادب کیجیے، ان کی زیادتیاں صبر سے برداشت کیجیے، ان کے معاملے میں سخت محتاط رہیے اور ان سے ایک مؤدب شاگرد اور سائل کی طرح بات کیجیے۔ ہمیشہ یہ ملحوظ رکھیے کہ اقامتِ دین کا کام کرنے والوں کے لیے یہ قوت بہت ہی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن اگر یہ پراگندہ رہے تو ہمارے لیے نقصانات بھی بہت ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کام اگر ہو جائے تو اس ملک میں ایک بڑا انقلابی قدم ہو گا۔

آج اگر ایسا ہوتا کہ جو دینی قوتیں اور گروہ پارلیمانی سیاست میں آئے ہیں وہ سب کے سب ایک صفِ بے رخنہ میں ہوتے تو وہ ساری ناگوار صورتیں واقع نہ ہو سکتیں جن کی تلخی کو ہم بھگت رہے ہیں، یا جو طرح طرح کی متضاد بحثیں چھڑی ہوئی ہیں۔

سیاسی سرگرمی اور انتخابی جدوجہد بھی ایک دائرۂ دعوت ہے، نیز ذریعۂ اثر اندازی۔ احتیاط صرف یہ لازم ہے کہ سیاسی کام کرتے ہوئے بھی دینی رنگ برقرار رہنا چاہیے، اور دین سے جدا سیاست کا کوئی تصور کارفرما نہیں ہونا چاہیے۔ دین کو اولیت حاصل رہے گی تو دینی سیاست نمودار ہو گی اور سیاست غالب رہے گی تو سیاسی دینداری بن جائے گی۔ دین و سیاست کو ایک اکائی کے دو پہلو ہونا چاہیے، جیسے دین اور تعلیم، یا دین اور معیشت وغیرہ۔

دین کے اخلاقی اقدار و شعار جس طرح تمام زندگی میں غالب رہنے چاہئیں، اسی طرح سیاسی (و انتخابی) سرگرمیوں میں غالب رہنے چاہئیں۔

ووٹروں کا ہجوم جمع کرنا اور ارکان و متفقین بنانا دو الگ الگ کام ہیں۔ انتخابی نعروں پہ جمع ہونے والے ووٹروں کو اس طرح کا کارکن نہ سمجھا جائے جن پہ ہمارے لوگ بالمشافہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقوں سے لمبی محنت کرتے ہیں۔ ووٹروں کو جمع کرنے کے تصور کے دباؤ سے رکنیت وغیرہ کے معیارات کو گھٹایا نہ جائے اور معیار پر مقدار (تعداد) کو ہرگز ترجیح نہ دی جائے، ورنہ جماعت کی بنیادیں جن تصورات پر رکھی گئی ہیں اور دستور کے جو تقاضے سامنے ہیں، ان سب کو نقصان پہنچے گا۔ یہاں تک کہ جماعت کے تعبدی و اخلاقی تشخص، اس کے تحریکی چہرے اور اس کے برسوں میں بننے والے مزاج کا تحفظ ممکن نہیں رہے گا۔

سیاست میں اگر صرف "جمہوریت" کا عنوان لے کے چلا جائے تو اس سے لازماً مراد مغرب کی لادین اور عوام پرست حکومت ہوتی ہے جس کے لیے ہونے والے انتخابات میں دینی مقاصد اور اخلاقی اقدار کا کوئی لحاظ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی جمہوریت جب بھی نمودار ہوگی تو ایسے ایسے قوانین اور پالیسیاں اور اقدامات اور کارروائیاں سامنے آئیں گی کہ محبانِ دین کے سر جھکا جائیں گے۔ اور ایسا تجربہ آج ہو رہا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے لادین مغربی جمہوریت پر بھرپور ضرب میں لگا کہ اسلامی جمہوریت و خلافت و شورائیت) کا کام کرنے کے لیے جو خطوطِ کار مرحلہ بہ مرحلہ تجویز کیے، ان سے حسب ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ ہمیں ساری گفتگو اسلامی جمہوریت کے لیے کرنی چاہیے۔

۲۔ کوشش کرنی چاہیے کہ مروجہ جمہوریت میں ایسی تبدیلیاں ہو جائیں کہ گاڑی اسلامی جمہوریت کی راہ پر چلنے لگے۔ اس سلسلے میں ہر موقف اور موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے، ساری تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ اور متحدہ و مشترکہ مطالبے سامنے لانے چاہئیں۔

۳۔ ضروری ہے کہ انتخابی دور میں ووٹروں کے سامنے یہ اصول ضرور رکھے جائیں کہ انقلابِ قیادت سے کیا مراد ہے اور سامنے آنے والے امیدواروں میں کم سے کم کیا خوبیاں ہونی چاہئیں۔ اس دعوت کو بار بار معاشرے کے مختلف حصوں میں پھیلایا جاتا رہے۔ اگر عین انتخابی بخار کے زمانے میں یہ کام نہ ہو سکے تو اس سے ایک ماہ قبل یا اور بھی پہلے کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ فی نفسہٖ دستور اور نظامِ انتخاب میں تبدیلیاں واقع ہونی چاہئیں۔ اس کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دادِ مقاصد پاس کرائی گئی اور بعد میں بھی اُمیدواروں کے اوصاف دستوری دفعات میں شامل کیے گئے۔ اگرچہ عملاً ان کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

۵۔ اگر دینی قوتوں میں قابلِ اعتماد اتحاد پیدا نہ ہوسکے تو اضطراراً کسی دوسری قوت سے اتحاد کرنا پڑ سکتا ہے۔ اِس صورت میں اوّل تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ بدنام قوت نہ ہو، ناقابلِ اعتبار نہ ہو اور مخالفِ دین نہ ہو۔ دوسری بات یہ ضروری ہے کہ شرائطِ اتحاد میں دو ایک واضح نکات ایسے شامل ہونے چاہئیں جو نفاذِ اسلام سے متعلق عملی تقاضے سامنے لائیں تیسرے یہ لازم ہے کہ مشترک نمائندے کھڑے کرنے کی صورت میں یہ شرط پہلے سے طے کی جائے کہ بہت ہی بدنام قسم کے کچے اخلاق لوگوں کو دوسرے شرکائے اتحاد ٹکٹ نہ دیں گے، اور اگر دیں تو ایسے خاص حلقوں میں ہمارے ووٹروں سے ووٹ کا مطالبہ نہ کریں۔

۶۔ تبدیلیٔ جمہوریت اور اصلاحِ انتخابات کے لیے ایک بڑا مؤثر ذریعہ تناسب نمائندگی کا طریقہ ہے۔ مگر اس طریقے کو منوانے کے لیے کبھی کبھار کسی بیان یا تقریر کا ہو جانا کافی نہیں۔ اس کام کو اگر حتمی طور پر کرنا ہے تو ایک تحقیقی کتاب انگریزی میں اور ایک اُردو میں خوب پھیلائی جائے، پھر سیمینار منعقد کرائے جائیں، اخبارات کے فورم میں مباحثے ہوں، بعض اہم جرائد خاص نمبر نکالیں یا بڑے اخبار خصوصی ضمیمے شائع کریں۔ ہو سکے تو دو ایک بار تناسب نمائندگی کا ہفتہ منانے کی صورت اختیار کی جائے۔

اِس کام کے لیے کسی خاص کونسل یا کمیٹی کو پورا نقشہ تیار کرنا چاہیے۔ یہ کوئی سرسری کام نہیں ہے۔

لیکن اس کے باوجود منتخب ہونے والے ارکان کے لیے بھی اور وزراء کے لیے بھی دینی و اخلاقی معیارات ہونے چاہئیں۔

ہمارے منتخب دوستوں کا کام یہی نہیں کہ وہ اجلاسوں میں بیٹھیں اور روایتی پارٹ ادا کرتے رہیں۔ بلکہ انہیں ایک انقلابی جماعت کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے ہر مسئلے میں اپنے خاص اندازِ گفتگو سے اسلامی انقلاب کے لیے کوئی لطیف اور خوبصورت بات ہمیشہ اٹھاتے رہنا چاہیے۔ نیز ان کو تمام ممبران، وزراء، اسپیکر، اپوزیشن کے ساتھیوں اور افسرانِ حکومت (باقی برصفحہ ۴۹)

© rasailojaraid.com